© rasailojaraid.com

تحقیق و تنقید

فارسی کی قدیم ترین تفسیر
یعنی
تفسیر طبری (ترجمہ)

پروفیسر نذیر احمد

فارسی میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیر کی روایت بہت قدیم ہے، قدیم ترین فارسی تفسیروں میں محمد بن جریر طبری کی تفسیر 'جامع البیان فی تفسیر القرآن' کا فارسی ترجمہ، تفسیر کیمبرج[1]، تفسیر سور آبادی[2]، تفسیر پاک[3] وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور تفسیر یا ترجمہ تفسیر طبری ہے، اگرچہ خود محمد بن جریر طبری نے براہ راست اس کو فارسی میں نہیں لکھا تھا، بلکہ اس کی وفات کے تقریباً ۴۰ سال بعد علماء کی ایک جماعت نے

---

[1] یہ ایک تفسیر تھی جو اصلاً چار جلدوں میں مکمل ہوئی تھی، اب اس کی آخری دو جلدیں کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانے میں ذیل شمارہ Mm.4.15. Erpenius محفوظ ہے، محققین کا خیال ہے قرن پنجم کے نصف اول سے قبل کی ہے، نسخے کی کتابت ۶۲۸ھ میں ہوئی، دو ضخیم جلدوں میں بنیاد فرہنگ ایران کی طرف سے ڈاکٹر جلال متینی کی تصحیح اور عالمانہ مقدمہ کے ساتھ ۱۳۴۹ شمسی میں شائع ہوئی ہے۔

[2] اس کے مصنف ابوبکر عتیق سور آبادی ہیں جو قرن پنجم کے اہم دانشمند تھے، اس کا ایک حصہ دکتر یحییٰ مہدوی کے مقدمے کے ساتھ ۱۳۴۷ میں شائع ہوا، اور اس کا عکسی نسخہ بنیاد فرہنگ کی طرف سے ۱۳۴۵ھ میں دو سال قبل شائع ہو چکا تھا۔

[3] تفسیر پاک جو دراصل ایک قدیم تفسیر کے باقی ماندہ جزء کا نام دیا گیا، یہ باقی ماندہ اجزاء پنجاب یونیورسٹی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کو فارسی کا جامہ پہنایا تھا، لیکن بعض لحاظ سے یہ تفسیر سب سے اہم ہے۔

اول یہ کہ یہ تفسیر اسلامی دور کے سب سے بڑے مفسر اور مورخ کی تراوش خامہ کا نتیجہ ہے۔

دوم یہ کہ باوجود اس کے کہ فارسی تفسیر محض ترجمہ ہے، لیکن یہ ترجمہ بھی تمام دریافت شدہ تفاسیر اور تراجم میں سب سے زیادہ قدیم ہے۔

سوم یہ کہ اس میں مسائل پر جس طرح عالمانہ نظر ڈالی گئی ہے، دوسری تفسیریں اس سے عاری ہیں۔

چہارم یہ کہ دریافت شدہ تفاسیر میں یہ سب سے زیادہ ضخیم بھی ہے۔

پنجم یہ کہ اس کے بارے میں جتنے تاریخی شواہد ہیں وہ کسی ایک قدیم تفسیر کے سلسلے میں نہیں۔

محمد بن جریر طبری (۲۲۶ - ۳۱۰) عالم اسلام کے سب سے بڑے مورخ[۱] اور مفسر

میں محفوظ ہیں، اس کا عکس بنیاد فرہنگ تہران کی طرف سے ۱۳۴۷ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ متعدد قدیم تفسیروں کے اجزا باقی رہ گئے، ان میں سے ایک نسخہ کتاب خانہ خسرو پاشا استنبول میں ہے۔ اس کے صرف ۶۰ ورق باقی ہیں، مجتبیٰ مینوی کا خیال ہے کہ تفسیر کیمبرج سے موخر نہیں، یہ تفسیر "بخشی از تفسیری کہن" کے عنوان سے بنیاد فرہنگ نے ۱۳۵۱ھ میں شائع کر دی ہے۔ مصحح محمد روشن ہیں۔

[۱] ہٹی کا مشہور قول قابل ذکر ہے:-

> بنی نوع انسان کے مخصوص کام مسلمانوں کے توسط سے انجام پذیر ہوئے، عظیم ترین فلسفی الفارابی مسلمان تھا، سب سے بڑے ریاضی داں ابوکامل اور ابراہیم بن سنان مسلمان تھے، سب سے بڑا جغرافیہ داں اور دائرۃ المعارفانہ صلاحیت کا حامل المسعودی مسلمان تھا اور سب سے بڑا مورخ الطبری بھی مسلمان تھا۔ (تاریخ عرب)

طبری کی خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی ابتدائے تحریر سے موت تک اس کے کام کا جو اوسط نکالا گیا تو ۱۴ ورق یومیہ کا اوسط نکلا، اور واضح ہو کہ یہ اوراق علمی فضیلت اور محققانہ بصیرت کے نمائندہ تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گذرے ہیں، ان کی تاریخ الرسل والملوک، فنِ تاریخ کا شاہکار ہے، جو ۱۵ جلدوں میں لائڈن سے ۱۸۷۹ تا ۱۹۰۱ء شائع ہوئی ہے، ایسی عظیم تاریخ کی ترتیب و تالیف جس ایک ادارے کے بس کی بات نہ ہو، ایک تنہا شخص کی کاوش کا نتیجہ حیرت انگیز ہے، اسی عظیم مصنف کا دوسرا بڑا کارنامہ قرآن مجید[۱] کی تفسیر ہے جو چالیس مجلدات پر مشتمل ہے، مشہور سامانی امیر منصور بن نوح کے پاس جب یہ مجلدات لائے گئے تو اس کو ان سے استفادہ مشکل ہوا، اس نے علمائے خراسان و ماوراءالنہر کی ایک مجلس طلب کی، اور تفسیر قرآن کے فارسی میں لکھے جانے کے جواز پر[۲] غور و خوض ہوا، بالآخر طے پایا کہ فارسی میں تفسیر لکھنا اور پڑھنا دو وجہ سے جائز ہے۔ اول یہ کہ خود قرآن میں ہے کہ کوئی پیغمبر بجز اس قوم کی کسی دوسری زبان[۳] میں نہیں بھیجا گیا۔ دوم یہ کہ فارسی نہایت قدیم زبان ہے، حضرت آدم سے حضرت اسماعیل تک سارے پیغمبروں کی زبان فارسی تھی، حضرت اسماعیل پہلے نبی ہیں جن کی زبان عربی رہی ہے، اس کے بعد ماوراءالنہر اور خراسان کے علماء کی ایک معتبر جماعت کے توسط سے تفسیر طبری فارسی میں منتقل ہوئی جس میں اسناد وغیرہ کم کر کے صرف ۷ مجلدات رہ گئے، خود ترجمۂ تفسیر طبری کے مقدمے کی اہم عبارت[۴] یہ ہے:۔

> این کتاب تفسیر بزرگ است از روایت محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ، ترجمہ کردہ بزبان فارسی دری راست[۵]، و این کتاب را بیاوردند از بغداد چہل مصحف بود نبشتہ بزبان تازی و بہ اسنادہای دراز بود، بیاوردند سوی

---

[۱] یہ تفسیر علامہ محمود محمد شاکر کی تحقیق کے ساتھ ۱۶ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، ابھی نامکمل ہے۔

[۲] یہ تفصیلات مقدمۂ ترجمہ تفسیر سے ماخوذ ہیں۔

[۳] وما ارسلنا من رسولٍ الا بلسان قومہ لیبین لھم (ابراہیم ۴)

[۴] مطبوعہ نسخہ کی عبارت قلمی نسخے سے خاصی مختلف ہے۔

[۵] صفا نے 'براہ راست' لکھا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امیر سید ملک مظفر ابو صالح منصور بن نوح بن نصر بن احمد بن اسماعیل رضی اللہ عنہم، پس دشوار بود بر دی خواندن این و عبارت کردن این کتاب بزبان تازی، و چنان خواست که مرا این را ترجمہ کنند بزبان فارسی، پس علمای ماوراء النہر گرد کرد و این از ایشان فتوی کرد که روا باشد خواندن و نبشتن تفسیر قرآن بپارسی آن کسی را که تازی نداند[۱] از قول خداوند که گفت "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" ہیچ پیغامبر را نفرستادیم مگر بزبان قوم خویش تا بدانستندی و دیگر آن بود که این زبان پارسی از قدیم باز دانستند، از روزگار آدم تا روزگار اسماعیل علیہما السلام ہمہ پیغامبران و ملوکان زمین بپارسی سخن گفتندی و اوّل کسی که سخن گفت بزبان تازی اسماعیل بود و پیغامبر ما صلی اللہ علیہ وسلم از عرب بیرون آمد و این قرآن بزبان عرب بدو نزد فرستادند و بدین ناحیت ما زبان فارسی است و ملوک جانب ملوک عجم اند، پس ملک مظفر ابو صالح بفرمود گرد کردن علمای ماوراء النہر از شہر بخارا چون ابوبکر محمد[۲] بن الفضل الامام، و چون ابوبکر محمد[۳] بن اسماعیل الفقیہ و چون ابوبکر احمد بن حامد الفقیہ و چون خلیل بن احمد السجستانی جبیدالعلما[۴] و بیاوردند از شہر بلخ چون ابو جعفر محمد بن علی عن[۵] باب الہند و الحسن علی بن مندوست الفقیہ و ابو الجہم خالد بن ہانی المتفقہ و ہم ازین گونہ از شہر سمرقند و اسبیجاب و فرغانہ و از شہری که بود ند ہمہ خطہا بداد ند بر ترجمہ این کتاب که راست است، پس بیرون آمد فرمان امیر سید ملک مظفر بدست کسہا و بزرگان و وزیران او و بہ زبان خاصہ او و خادم او ابو الحسن فایقہ

---

[۱] اس کے بعد کا یہ اضافہ "و ایشان فتوی کرد که روا باشد که این کتاب را بزبان پارسی گردانیم" کہ کفتندی را مپور کے قلمی نسخے میں جو میرے مطالعے میں ہے، موجود نہیں۔

[۲][۳] صفا: تاریخ ادبیات ج اص ۶۲۰ میں یہ دونوں نام محذوف ہیں [۴] یہ ٹکڑا تاریخ ادبیات میں محذوف ہے [۵] ایضاً و از باب الہند الحسن بن علی مندوسی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الخالصہ سوی ایں مردمان وعلماء تا ایشاں ازمیان خویش ہر کدام دانا تر اختیار کردند تا ایں کتاب را ترجمہ کنند و اقتصار کردند بر متون اخبار و ایں را بیست مصحف گردانیدند، ازیں جملہ چہاردہ مصحف بنہادند تفسیر قرآن از اول عالم تا آن وقت کہ پیغامبر ما ازیں جہاں بیروں شد و وحی از آسمان گسیتہ شد، تا ایں چہاردہ مصحف فرونہادہ آمد، ہر یکی نیم ہفت یک، تا جملہ ہمہ تفسیر قرآن باشد، پس وفات پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم تا آن وقت کہ محمد بن جریر الطبری ازیں جہاں بیروں شد اندر سال سیصد و چہل و پنج بود از ہجرت، پس شش مصحف دیگر فرونہادیم تا ایں ہمہ بیست مصحف تمام شد و تفسیر قرآن و قصہا یا ایں پیغامبر کہ بودند از پس او و قصہا امیران مومنان کہ بودند تا بدیں روزگار کہ یاد کردیم ہمہ گفتہ شود و ما ایں ہمہ را اندر ہفت مجلد بر ان تالیف نسخت کردیم تخفیف را واللہ الموافق للصواب۔

یہ کتاب محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی ہوئی تفسیر بزرگ ہے، جو فارسی دری میں ترجمہ کی ہوئی ہے، اس کتاب کو بغداد سے لائے، چالیس مجلدات میں عربی زبان میں تھی، اور اس میں بڑے طویل اسناد تھے، اس کو امیر سدید[۱] ملک مظفر ابوصالح منصور بن نوح بن نصر بن احمد بن اسماعیل رضی اللہ عنہم کے پاس لائے، اس کے لئے اس کا پڑھنا اور اس کا عربی میں سمجھنا بڑا دشوار تھا، اس نے خواہش ظاہر کی کہ اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا جائے، پس ماوراء النہر کے علماء کو

---

[۱] زین الاخبار ص ۱۶۱، ۱۶۲ میں اس کا نام "سدید" لکھا ہوا ہے، بظاہر "سید" اس کی تصحیف ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمع کر کے فتویٰ پوچھا کہ اس کتاب کو فارسی میں منتقل کرنا درست ہے یا نہیں؟ انھوں نے فتویٰ دیا کہ ایسے شخص کے لئے کہ جو عربی پڑھنا لکھنا نہیں جانتا قرآن کی اس آیت کی روشنی میں وما ارسلنا من رسول الخ (اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو بجز اپنی قوم کے زبان میں تا وہ لوگ جانتے) جائز ہے، دوسرے یہ کہ اس زبان فارسی کو قدیم زمانے سے لوگ جانتے ہیں، حضرت آدم کے زمانے سے حضرت اسماعیل کے قبل تک سب پیغمبر اور بادشاہ زبان فارسی بولتے تھے، اور پہلے شخص جنھوں نے عربی میں گفتگو کی وہ حضرت اسماعیل تھے، اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے، اور یہ قرآن عربی زبان میں ان پر بھیجا گیا، اور ہمارے اس خطے کی زبان فارسی ہے اور ان اطراف کے حکمراں ملوک عجم ہیں، پس ملک منظفر ابو صالح نے علماء ماوراء النہر کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا، مثلاً شہر بخارا سے علماء مانند ابوبکر محمد بن الفضل الامام، ابوبکر محمد بن اسماعیل فقیہ، ابوبکر احمد بن حامد فقیہ، خلیل بن احمد سجستانی جہید العلماء، اور شہر بلخ سے علماء مانند ابو جعفر محمد بن علی (عن باب الہند) الحسن علی بن مندوست فقیہ، ابو جہم خالد بن ہانی متفقہ لائے گئے، اسی طرح شہر سمرقند، اسبیجاب فرغانہ وغیرہ ہر شہر میں جو علماء تھے سبھوں نے اتفاق کیا کہ اس کتاب (تفسیر طبری) کا فارسی میں ترجمہ مناسب ہے،

اس کے بعد سید ملک منظفر نے عوام و خواص، اور اپنے وزیروں (اور اپنی زبان میں) اور اپنے خادم ابوالحسن فائق الخاصہ کے توسط سے عام لوگوں، (خصوصاً) علماء کو حکم بھیجا کہ اپنے درمیان جن کو خردمند سمجھیں منتخب کریں جو اس تفسیر کا ترجمہ کریں۔ انھوں نے متن اخبار پر مبنی اس کو بیس مجلدات میں مقصور کیا، ان میں سے ۱۳ مجلدات تفسیر قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تخلیق عالم سے حضور کائنات کی وفات اور نزول وحی کے خاتمے تک، ان ۴ مجلدات میں سے ہر ایک ۱/۴ حصہ تھا، یہاں تک یہ مکمل قرآن مجید کی تفسیر ہوئی" پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے محمد بن جریر طبری کی ۳۴۵ھ تک چھ مجلدات مکمل ہوئے، یہ سب ۲۰ مجلد ہوئے ان پر تفسیر مکمل ہوگئی، اس کے بعد یاران و اصحاب پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور ہمارے زمانے تک کے مسلمان حکمرانوں کے واقعات سب جمع ہوئے، یہ سب سات مجلد ہیں اس کتاب میں اضافہ کر دیئے گئے۔

اگرچہ تفسیر طبری کے ترجمے کی قطعی تاریخ معلوم نہیں لیکن اتنا مسلم ہے کہ یہ ترجمہ [1] ۳۵۰ اور ۳۶۵ [2] ھ کے درمیان مکمل ہوا اس لئے کہ امیر منصور بن نوح کا زمانۂ حکومت یہی ہے۔ ابتدا میں عرض ہو چکا ہے کہ یہ فارسی میں سب سے قدیم تفسیر ہے، اس کے مختلف وجوہ ہیں۔

اولاً یہ کہ مقدمہ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اس تفسیر یعنی تفسیر طبری کے ترجمے کے قبل کسی اور زبان میں قرآن کا ترجمہ یا تفسیر نہیں لکھی گئی تھی، گویا سب سے قبل علماء کا فتویٰ اس امر کی بابت طلب کیا گیا کہ دوسری زبان میں قرآن کے ترجمے یا تفسیر کا جواز ہے یا نہیں، اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت تک اس طرح کا اقدام نہیں ہوا تھا۔

ثانیاً یہ کہ خراسان اور ماوراء النہر کا خطہ فارسی زبان و ادب کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز

---

[1] امیر منصور عبدالملک بن نوح کی وفات پر امیر بخارا ہوا اور تاریخ بخارا ص ۱۱۵ میں اس کی وفات ۸ شوال ۳۵۰ھ درج ہے نیز دیکھئے زین الاخبار ص ۱۶۲ جس کی رو سے امیر منصور کی تخت نشینی ۳۵۰ھ کی ہے۔ [2] زین الاخبار ص ۱۶۴ میں منصور کی وفات کی تاریخ ۱۱ شوال ۳۶۵ھ درج ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا ہے۔ اگر اس عہد سے قبل کوئی کوشش ہوئی ہوتی تو اسی علاقہ ہی میں ہوتی اسی خطے کے ایک بادشاہ کی طرف سے ایک پروگرام کے تحت ایک عربی تفسیر کی فارسی میں منتقلی، اس سے قبل کی کوشش کی نفی کرتی ہے۔

ثالثاً یہ کہ اس کے قبل کی کوئی تفسیر فارسی اب تک مکشوف نہیں ہوئی ہے، جو قدیم تفسیریں[1] ہمدست ہیں وہ سب بعد کی ہیں۔

تفسیر طبری (ترجمہ فارسی) کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ترجمہ فارسی اصل عربی سے مختصر ہے، ترجمے میں طویل اسناد بعض جگہ مختصر اور بعض جگہ بالکل حذف کر دیئے گئے ہیں۔

۲۔ اولاً تحت اللفظ ترجمہ ہے، پھر تفسیر شروع ہوتی ہے، اس میں افراد اور واقعات جو قرآن میں مذکور ہیں ان پر تفصیلی یادداشت درج کی جاتی ہے، ساتھ ہی ہر سورہ یا اس کے مختلف اجزاء کی شانِ نزول سے بھی بحث ہوتی ہے، سورہ فاتحہ کا ترجمہ و تفسیر ذیل میں درج ہے۔

(ترجمہ) بنام خدا بخشندہ مہربان

سپاس خدائے را پروردگار جہانیان بخشایندہ بخشائشگر، پادشاہ روز دین یعنی روز رستخیز، مر ترا می پرستیم و مر ترا یاری می خواہیم راہ نمائے مارا راہ یعنی دین اسلام، راہ آنکسہا کہ نعمت کردی تو بر ایشان، نہ راہ آنکسہا کہ تو خشمناک شدی بر ایشاں یعنی جہودان نہ گمراہان یعنی ترسایان

تفسیر

این سورہ فاتحہ الکتاب خوانند و نیز ام الکتاب گویند نیز سبع المثانی گویند، اما فاتحہ الکتاب از بہر آن گویند کہ ہمہ قرآن بدین سورۃ گشادہ شود و اوّل ہمہ قرآن این سورۃ باید خواندن، اما ام الکتاب از بہر آن خوانند کہ مادر ہمہ قرآن این سورہ است و ہمہ قرآن ازین شکافتہ و ازین گشادہ آید و بیشتر از ہمہ قرآن اینست، اما سبع المثانی از بہر آن گویند کہ این سورہ ہفت آیت است و این دوبار است کہ کلمتہائی آن دو بار آید چنانکہ گوید بسم اللہ الرحمٰن

[1] اس میں تفسیر کیمبرج اور تفسیر سورآبادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اور دونوں اس ترجمے کے بعد کی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الرحیم''، دیگر بارہ ''الرحمٰن الرحیم'' وگوید ''ایّاک نعبُد'' و دیگر بارہ ''ایاک'' آید، وگویند ''الصراط'' و دیگر بارہ ''صراط'' آید و گویند ''علیھم'' و دیگر بارہ ''علیھم'' آید، سبع مثانی این باشد۔

سورہ ''الٓمٓ'' میں جو واقعات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:۔

قصۂ کافران منافقان

قصۂ بیست دہشت مسئلہ کہ جھودان در توریۃ نوشتند

یاد کردن مسئلہ با وجواب پیغامبر

قصہ آفریدن آدم علیہ السلام

سبب آمدن ابلیس از آسمان بر زمین

سجدہ کردن فرشتگان آدم را علیہ السلام

قصہ توبہ آدم علیہ السلام

قصۂ تخم کشتن آدم علیہ السلام

خطبۂ آدم علیہ السلام

قصۂ موسیٰ و ذبح بقرہ

رفتن موسیٰ علیہ السلام و بنی اسرائیل بحرب جبّاران

قصۂ ہاروت و ماروت و ہلاک شدن ایشاں

قصۂ بناء کعبہ و گردانیدن قبلہ

ایک قوم جو مسخ کرکے بندر کردی گئی اس کی تفسیر اس طرح ملتی ہے:

این قوم داود بودند بحاضرۃ البحر، خدائے برایشان خشم گرفت و کپی گردانید شان، یک گروہ این بودند کہ مسخ گشتند، اما دیگر گروہ کہ مسخ گشتند از قوم عیسیٰ بودند اندر شہری بشام برکنار دریا، و داوٗد زندہ بود و ماہیان از دریا پیش خداوند عزوجل از آدمیان بنالیدند، گفتند: روز شنبہ روز عید ما باشد ... [illegible] ... روز شنبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مارا اگر بیند، خدائے بزبور اندر فرمود کہ روا نباشد روز شنبہ ماہی گرفتند، چون داؤد ازیں جہان بیرون شد گروہی ماندہ بودند از علماء و نہی ہمی کردند از ماہی گرفتن بروز شنبہ، و بدان دریا ماہی بی عدد بودندی و بروز شنبہ خویشتن را از قعر دریا برکشیدندی و بزیارت یکدیگر شدندی، چون روز شنبہ درگذشتی ہمہ بقعر دریا فرو شدندے و ہیچ برنیامدندے پس ایں مردمان مکر کردندے و حوضہا بر آب دریا بکندندے و راہ از دریا بران کردندے و آب اندران افکندندے روز آدینہ و چون روز شنبہ بودے ماہیان بغلبہ بیرون آمدندے و بدان حوض اندر شدندے، چون دانستندے کہ حوض پر شد و ماہیان بر فتندے در حوض استوار کردندے تا روز یکشنبہ بیامدندے و دام بیاوردندے و ماہیان گرفتار کردندے، خدائے عزوجل برایشان خشم گرفت بدان مکر کہ کردند و ہمہ را کپی گردانید۔

یہ قوم داؤد تھی جو سمندر کے کنارے تھی، خدا کے غضب میں وہ لوگ آئے اور وہ سب بندر کر دیئے گئے، ایک جماعت یہ تھی جو مسخ ہوئی ایک اور گروہ جو مسخ ہوا وہ عیسیٰؑ کی قوم کے تھے، شام کے ایک شہر میں سمندر کے کنارے آباد تھے۔ اور داؤدؑ زندہ تھے سمندر کی مچھلیوں نے خدائے بزرگ و برتر کے دربار میں آدمیوں کے ظلم کی فریاد کی اور عرض پرداز ہوئیں کہ سنیچر کا دن ہمارا عید کا دن ہے ہم اس روز ایک دوسرے سے ملنے جاتے ہیں، آپ فرما دیں کہ ہمیں سنیچر کے روز نہ پکڑیں، خدا نے زبور میں ہدایت فرمائی کہ سنیچر کے روز مچھلی کا شکار جائز نہیں، جب داؤدؑ کی وفات ہوئی، علماء کی ایک جماعت باقی تھی، وہ لوگ سنیچر کے روز مچھلی پکڑنے کی ممانعت کرتے اس سمندر میں مچھلیاں بے شمار تھیں، سنیچر کو سمندر کی تہ سے ابھر آتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ایک دوسرے سے ملتی ملاتیں، سنیچر گذر جاتا تو پھر سمندر کی تہ میں چلی جاتیں اور پھر نہ نکلتیں، پس ان لوگوں نے مکر کیا، سمندر کے کنارے حوض کھودنے، سمندر سے اسے ملا دیتے، اور پھر اس کو جمعہ کے روز پانی سے بھر لیتے، سنیچر کے روز مچھلیاں ذوق و شوق سے باہر آتیں اور حوض میں بھر جاتیں، جب ان لوگوں کو یقین ہو جاتا کہ مچھلیوں سے حوض بھر گیا تو حوض کا دروازہ بند کر لیتے، پھر اتوار کو آتے، جال لاتے اور مچھلیوں کا شکار کرتے، خدا نے ان پر مکر کی وجہ سے غضب کیا اور سب کو بندر میں تبدیل کر دیا۔

۳۔ ترجمہ تفسیر طبری میں آخری سات مجلدات ایسے ہیں جو اصل میں شامل نہیں، یہ مجلدات ان مخصوص امراء و سلاطین کے حالات کو حاوی ہیں جو ترجمہ کے دور تک گذرے ہیں، یہ مجلدات تاریخ کے اہم ماخذ ہیں۔

ترجمۂ تفسیر طبری کی اہمیت حسب ذیل وجوہ سے ہے۔

۱۔ یہ سب سے قدیم فارسی تفسیر ہے، اگرچہ اصل تفسیر عربی میں ہے، لیکن نوح بن منصور کے دور تک کسی مفسر نے فارسی میں تفسیر نہیں لکھی تھی، اس کی بنا پر اس ترجمہ کی اوّلیت برقرار ہے۔

۲۔ لسانی اعتبار سے اس ترجمہ کی بڑی اہمیت ہے، اس سے قبل کی کوئی فارسی کتاب نہ اتنی ضخیم ہے اور نہ اتنی علمی، فارسی زبان کے ارتقا میں اس ترجمے کا بڑا حصہ ہے اس میں ہزاروں الفاظ، فقرات، مرکبات، اصطلاحات ہیں جو اس دور کی کسی کتاب میں نہیں۔ اس لحاظ سے خود اس کا لسانی مطالعہ اہم لسانی نتائج کا حامل ہے۔

۳۔ یہ ترجمہ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں عمل میں آیا، اس وقت تک چند ہی کتابیں فارسی میں ملتی ہیں۔ اس لحاظ سے اس ضخیم کتاب کا وجود فارسی ادب میں قابل قدر اضافہ ہے، یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ اس وقت تک کی ساری کتابوں کا جو حجم ہوگا اس سے یہ تفسیر بھاری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۔ اس تفسیر بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہے، مثلاً
اس کے آخری مجلدات جیسا کہ قبل میں ذکر ہو چکا ہے سیاسی تاریخ کے اہم ماخذ کا کام کرتے ہیں۔
مقدمے میں چند امور تاریخی اہمیت کے ہیں،
(الف) اس میں تدوینِ قرآن پر ایک الگ عنوان کے تحت بحث کی گئی ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

قرآن متفرق حالت میں تھا، صرف ابی بن کعب کے پاس مصحف مکمل شکل میں تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد لوگوں میں قرآن کے بارے میں اختلاف ہوا، جب حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے قرآن کی جمع آوری کا قصد کیا تاکہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف ختم ہو جائے، پس ابی بن کعب کے پاس جو مصحف تھا وہ حاصل کیا گیا اور اس سے ایک نسخہ تیار ہوا اس کے بعد اعلان ہوا کہ جس جس کے پاس قرآن کے اجزا ہوں وہ لائیں، لوگ لاتے اور حضرت عثمانؓ کے نزدیک جو معتبر قرار پاتا وہ لکھ لیتے، ایک اعرابی نے کہا میرے پاس حسب ذیل دو سورہ ہیں۔ اول یہ:

اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونستھدیک ونؤمن بک ونتوکل علیک ونثنی علیک الخیر کلہ نشکرک ولا نکفرک ونخلع ونترک من یفجرک۔

دوسری یہ:

اللھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعی ونحفد نرجو رحمتک ونخشی عذابک ان عذابک بالکفار ملحق۔

حضرت عثمان نے کہا کہ تیرے پاس ان کے قرآن کا حصہ ہونے کی کوئی دلیل ہے، اعرابی کے نفی کے جواب پر حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں ان کو قرآن میں داخل نہیں کر سکتا، لیکن اچھی دعا ہے، وتر کی نماز میں اس کو پڑھا کریں تاکہ محفوظ رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقدمے میں سات علماء اور ایک امیر کا نام محفوظ ہے جن کے ذریعہ ترجمے کا عمل انجام پذیر ہوا، امیر منصور بن نوح نے متعدد علماء کو اس سلسلے میں دعوت دی تھی، لیکن مقدمے میں صرف سات کا نام درج ہے، مثلاً حسب ذیل چار بخارا کے علماء کو دعوت دی گئی تھی:

۱۔ ابوبکر محمد بن الفضل الامام
۲۔ ابوبکر محمد بن اسماعیل الفقیہ
۳۔ ابوبکر احمد بن حامد الفقیہ
۴۔ خلیل بن احمد السجستانی

حسب ذیل تین بلخ کے علماء کا نام درج ہوا ہے:۔

۱۔ ابوجعفر محمد بن علی (باب الہند سے)
۲۔ ابوالحسن علی بن مندوست الفقیہ
۳۔ ابوجہم خالد بن ہانی۔

ابوالحسن فائق الخاصہ خادم امیر منصور کے ذریعے مترجمین کے انتخاب کا فرمان نافذ ہوا۔

اگرچہ یہ سارے افراد اس زمانے کے چیدہ علماء میں تھے، لیکن مشہور تاریخوں، تذکروں اور انساب کی کتابوں میں تین کے بارے میں اطلاع درج ہے۔

ابوبکر محمد بن الفضل الامام، خلیل بن احمد سجستانی، ابوجعفر محمد بن علی بلخی۔ ان میں ہر ایک کے بارے میں مختصر یادداشت درج کی جاتی ہے۔

۱۔ ابوبکر محمد بن الفضل (متوفی ۳۸۱ھ) بڑے درجے کے امام اور شیخ تھے، بخارا کے قریب قریۂ کماری آپ کا مسقط الراس ہے، وہ اپنے دور میں اتنے مشہور ہوئے

ل ان کے حالات الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ چاپ مصر ۱۳۲۲، ص ۱۸۴ سے ماخوذ ہیں۔
نیز دیکھئے الجواہر المضیئہ طبع حیدرآباد، جلد ۲، ص ۱۰۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ دور دور سے تشنگان علم آتے اور اپنے علم کی پیاس اس سرچشمے سے بجھاتے، ان کے اساتذہ میں ان کے والد، ابوحفص، عبداللہ السبزمنی اور محمد تھے، السمعانی نے ان کی اولاد میں بڑی مشہور شخصیات کا ذکر کیا ہے، مثلاً:۔

عثمان بن ابراہیم بن محمد بن احمد بن ابوبکر محمد بن الفضل بن جعفر بن جا د البخاری ــــ ان کی پیدائش ۴۲۶ھ میں بخارا میں ہوئی اور وہیں ۵۰۸ ہجری میں فوت ہوئے ان کے بیٹے:۔

قاضی ابو محمد عبدالعزیز بن عثمان بن ابراہیم الفضلی بھی بڑے فاضل تھے، بڑے با اخلاق بزرگ تھے، ان کی وفات بخارا میں ۵۳۳ ہجری میں ہوئی۔

ابوبکر محمد بن الفضل کے اخلاف میں ایک بزرگ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن محمد بن احمد بن ابوبکر محمد بن الفضل بخارا کے خطیب تھے، ان کی وفات ۵۴۹ھ میں واقع ہوئی۔

فوائد البہیہ میں طبقات القاری کے حوالے سے ابوبکر محمد بن الفضل کے نام سے ایک واقعہ نقل ہے، کہتے ہیں ایک مرتبہ ابن الفضل فرغانہ پہنچے اور قاضی خاں کے ایک جلسے میں تشریف لے گئے، اس جلسے میں بڑے بڑے علماء موجود تھے، جو قاضی خاں کی تقریر نقل کر رہے تھے، دوران تقریر میں قاضی خاں نے قاضی ابو یوسف اور محمد کے اقوال الٹ دیئے، ابوبکر محمد بن الفضل نے فوراً ان کی صحت کی، اس کا قاضی خاں پر اتنا اثر ہوا کہ منبر سے اتر آئے اور ان سے مخاطب ہوئے، جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ وہی ابوبکر محمد بن الفضل ہیں تو بول اٹھے کہ منبر آپ کے لئے سزاوار ہے۔

مگر یہ[1] قصہ ابوبکر محمد سے متعلق نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ان کے اور قاضی خاں کے زمانے میں دو صدی سے زیادہ کا فرق ہے، ابوبکر محمد کا انتقال ۳۸۱ھ میں ہوا اور قاضی خاں ۵۹۲ھ میں فوت ہوئے، چنانچہ صاحب فوائد البہیہ نے صحیح لکھا ہے کہ قاضی خاں کی ملاقات ابوبکر محمد بن الفضل سے نہیں ہو سکتی بلکہ ان کے اخلاف میں ابوبکر محمد بن ابراہیم

---

[1] صاحب فوائد البہیہ کی یہ رائے ہے، جو بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن محمد بن احمد بن ابوبکر محمد بن الفضل سے جو ۴۹ ۵ میں فوت ہوئے ۱ ہوئی ہوگی۔

اگر اس موضوع پر تحقیق و تدقیق کی جائے تو اس خانوادے کی اور علمی سرگرمیاں سامنے آئیں گی۔

۲۔ خلیل بن احمد السجستانی

مقدمے میں مذکور ایک اور شخصیت جو بعد کے مورخوں اور تذکرہ نویسیوں کی توجہ کا مرکز بنی ہے وہ خلیل بن احمد بن محمد بن خلیل بن موسیٰ بن عبداللہ ابوسعید السجزی یا السجستانی کی ہے، انھوں نے فقہ اسلامی میں غیر معمولی شہرت حاصل کی تھی، وہ بڑے سیاح بھی تھے، فارس، عراق، خراسان، حجاز، شام، الجزیرہ، وغیرہ خطوں کی سیر کی تھی۔ ان کی وفات ۳۶۸ھ میں سمرقند میں ہوئی، وہ ایک کہنہ مشق شاعر بھی تھے، الجواہر المضیئہ میں ان کے دو قطعے درج ہیں، منصور بن نوح کے عہد میں وہ بخارا میں تھے اسی وجہ سے ان کا نام مقدمے میں علمائے بخارا کے ساتھ مذکور ہے۔

۳۔ بلخ سے جو علماء امیر منصور بن نوح نے مدعو کئے تھے، ان میں سے ایک ابوجعفر محمد بن علی بتائے گئے ہیں، اور ان کو بلخ میں باب الہند کا بتایا گیا ہے، دراصل اسی عہد کے ایک مشہور عالم بلخ کے دروازہ ہندوان کے ساکن، ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر ہیں جن کا ذکر اکثر کتابوں ۲ میں آیا ہے، ان کے کسی قدر تفصیلی حالات فضائل بلخ نامی کتاب میں دیئے گئے ہیں، اس کتاب کا مولف صفی الدین بلخی تھا، اور تاریخ تالیف ۶۱۰ھ ہے، یہ مفقود ہے، البتہ اس کا فارسی ترجمہ جو عبداللہ بن محمد بلخی کے ذریعہ ۶۷۶ھ ۳ میں عمل میں آیا تھا، وہ باقی ہے، اور وہی صاحب ترجمہ کے واقعات کا سب سے مفصل ماخذ ہے۔

---

۱ دیکھئے الجواہر المضیہ طبع حیدرآباد جلد ۱ ص ۲۲۴

۲ اللباب ج ۲ ص ۲۹۵، الفوائد البہیہ ص ۱۶۹، الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۶۸، اسمار المولفین ص ۳۷

۳ شیخ نمبر ۴۹، ص ۳۵۹-۳۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرا قیاس ہے کہ مقدمۂ ترجمہ تفسیر طبری میں مذکور ابوجعفر محمد وہی بزرگ ہیں جن کا تذکرہ فضائل بلخ اور دوسری تصانیف میں پایا جاتا ہے، اور باوجود باپ کے نام میں فرق ہونے کے (مقدمہ میں مذکور ابوجعفر محمد کے باپ کا نام علی ملتا ہے، اور دوسرے ماخذ میں عبداللہ) میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ دونوں شخصیتیں بظن غالب ایک ہی ہیں، میرے قیاس کی بنیاد حسب ذیل امور پر ہے :-

۱۔ دونوں کے نام (محمد) اور کنیت (ابوجعفر) کی یکسانی۔

۲۔ دونوں کے زمانے کا ایک ہونا۔ اکثر کتابوں میں ابوجعفر محمد کا سنہ وفات[1] ۳۶۲ ہجری بتایا گیا ہے۔ اس طرح وہ امیر منصور بن نوح (متوفی ۳۶۵) کا اور مقدمۂ ترجمہ تفسیر میں مذکور ابوجعفر محمد کا ہم عصر تھا۔

۳۔ تاریخوں میں مذکور ابوجعفر محمد کی سکونت بخارا فضائل بلخ وغیرہ سے ثابت ہے۔ ان کی وفات ۳۶۲ میں بخارا ہی میں بتائی گئی ہے، وہاں سے ان کی لاش بلخ لائی گئی اور ان کے خاندانی قبرستان دروازہ ہندوان میں دفن کی گئی، یہ زمانہ منصور بن نوح کی حکومت کا تھا۔

۴۔ تاریخوں میں مندرج ابوجعفر محمد ہندوستانی نسبت سے مذکور ہوئے ہیں، اور دروازہ ہندوان میں ان کے خاندانی قبرستان کی نشاندہی کی گئی ہے، اور مقدمے میں ان کو باب الہند سے منسوب بتایا گیا ہے، دروازہ ہندوان باب الہند کا فارسی مترادف ہے۔

غرض ان وجوہ سے میں نے تاریخوں میں مذکور ابوجعفر محمد اور مقدمۂ ترجمۂ تفسیر کے ابوجعفر محمد کے ایک ہونے پر قیاس کیا ہے۔ اس قیاس کی صحت کے بعد یہ طے کرنا ہوگا کہ ان کے باپ کا نام شائد علی نہ ہو بلکہ عبداللہ ہو، علی چونکہ ایک جگہ (مقدمے میں) آیا ہے اور عبداللہ کئی ماخذ میں ہے، اس لئے آخر الذکر نام کو ترجیح دی گئی ہے، اس ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ مقدمے کے نسخوں میں اختلاف کی گنجائش ہے، چنانچہ صفا صاحب نے جو اقتباس مقدمے سے نقل کیا ہے اس میں گو باپ کا نام علی ہی درج کیا ہے، لیکن دروازۂ ہند

---

[1] فضائل بلخ ص ۳۶ متن و حاشیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی نسبت دوسرے عالم الحسن بن علی بن مندوست کی طرف دکھائی ہے، نیز آخر الذکر کے نام میں یہ اختلاف بھی موجود ہے۔ الحسن بن علی مندوسی، ان اختلافات کی موجودگی سے یہ قیاس درست ہے کہ مقدمہ کا متن شبہ سے خالی نہیں، جب کہ مختلف تاریخوں میں ناموں کی یکسانی اس کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔

ابو جعفر محمد بلخ میں پیدا ہوئے، وہیں نشو و نما پائی، اور علوم حاصل کئے، پھر بخارا چلے گئے جہاں ۶۲ سال کی عمر میں ۳۶۲ھ میں وفات پائی، ان کی لاش بلخ لائی گئی اور خاندانی قبرستان دروازۂ مندوان میں[1] دفن ہوئی۔

ابو جعفر بڑے درجے کے عالم، محدث اور فقیہ تھے، فضائل بلخ میں ان کی روایت سے کئی احادیث مندرج ہیں، مشہور محدث اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی[2] نے ان کی روایت کردہ متعدد احادیث نقل کی ہیں، خاص طور پر اصحاب الاخدود[3] والی حدیث، ابو جعفر عوام اور خواص میں یکساں طور پر مقبول تھے، ان کی وفات کے بعد لوگ ہر شنبہ کو برکت کی غرض سے ان کی قبر پر فاتحہ کے لئے حاضری دیتے، ابو جعفر محمد کے سپرد دروازہ مندوان کی نگرانی بھی تھی، کہتے ہیں کہ ابو اللیث سمرقندی کی ملاقات ابو جعفر سے اسی دروازے پر ہوئی اور وہ آخر الذکر کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔

۴۔ بلخ کے علماء میں جو مقدمے میں مذکور ہیں ایک عالم ابو جہم خالد بن ہانی تھے، ان کا نام لغت نامہ دہخدا میں ملتا ہے، لیکن اس میں نہ کوئی تفصیل ہے اور نہ ماخذ کا حوالہ

۵۔ ایک اور شخصیت جو مقدمۂ تفسیر طبری میں مذکور ہے وہ ابو الحسن[4] فائق الخاصہ کی ہے، اس کے ذریعہ امیر منصور بن نوح کے فرمان کا نفاذ ہوا تھا، وہ امیر مذکور کا خادم

---

[1] فضائل بلخ ص۳۵۹ اور آگے [2] ان کے حالات کے لئے دیکھئے فضائل بلخ ص۲۷۸ ان کی وفات بلخ میں ۳۷۶ھ میں ہوئی۔ ان کے حالات کے اہم ماخذ یہ ہیں۔ الجواہر المضیئہ، الفوائد البہیہ، الاعلام وغیرہ
[3] فضائل بلخ ص۳۶۶ اور آگے [4] ابو الحسن کنیت صرف مقدمہ ترجمۂ تفسیر طبری میں ملتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بتایا گیا ہے، اس دور میں فائق الخاصہ نام کا ایک مشہور اور باثر امیر گذرا ہے جس کا ذکر اس عہد کی تاریخوں[1] میں برابر ملتا ہے، مقدمے سے پتا چلتا ہے کہ منصور کے زمانے میں وہ کافی امیر تھا، چنانچہ مقدمے سے ظاہر ہے کہ ترجمے کے متعلق فرمان کے نافذ کرنے کی ذمہ داری فائق الخاصہ کے سپرد تھی، لیکن زین الاخبار گردیزی، تاریخ بیہقی، تاریخ عتبی میں فائق الخاصہ کا ذکر امیر منصور کے بیٹے نوح بن منصور کی خلافت سے شروع[2] ہوتا ہے جو اپنے باپ کی وفات پر ۳۶۵ھ میں بخارا کے تخت پر بیٹھا تھا، اگرچہ تاریخوں میں کسی واقعے کے عدم ذکر سے اس کے غلط ہونے کا استدلال نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ تاریخ میں محض اہم واقعات کا ذکر ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات اہم واقعات بھی مندرج ہونے سے رہ جاتے ہیں، بہرحال زین الاخبار میں[3] واضح طور پر لکھا ہے کہ نوح تخت نشینی پر فائق الخاصہ اور تاش حاجب کے سپرد ہوئے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں امیر دفعتًہ اتنے اہم نہیں ہوئے ہوں گے بلکہ اس کے باپ یعنی امیر منصور کے زمانے میں وہ مسلمہ اہمیت کے مالک ہو چکے ہوں گے، زین الاخبار[4] کے الفاظ یہ ہیں:-

چوں نوح بن منصور بخلافت نشست ہنوز بالغ نبود دبیست و یکسال وسہ ماہ ولایت داشت..... وکارہائے خویش بہ فائق الخاصہ و تاش الحاجب سپرد

تاریخوں میں مندرج واقعات سے ظاہر ہے کہ نوح بن منصور کے بائیس سالہ دور حکومت (۳۶۵ - ۳۸۷) میں سب سے زیادہ باثر شخصیت فائق الخاصہ کی رہی ہے۔

---

[1] دیکھئے زین الاخبار چھاپ تہران ص ۱۶۵ تا ۱۷۳، تاریخ بیہقی چھاپ تہران ۱۳۲۴ صفحہ ۲۰۰، ۲۰۷، ۴۱۳، ۶۲۰ - ۶۴۲ [2] تاریخ گزیدہ ص ۴۲۰ میں اس کو نوح بن منصور کے عہد کا امیر بتایا ہے جو اس امیر کی جانب سے قابوس بن وشمگیر اور فخر الدولہ کی مدد کے لئے آیا تھا۔
[3] ص ۱۶۵، نوح بن منصور کی تخت نشینی امیر منصور بن نوح کی وفات ۱۱ شوال ۳۶۵ ہجری کے بعد ہوئی۔ [4] ص ۱۶۵ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ کوئی اہم کام ایسا نہیں جس میں وہ شریک نہ رہا ہو، ۳۸۷ھ[1] میں نوح کی وفات پر اس کا بیٹا منصور تخت نشین ہوا، اس کے دو سالہ[2] عہد میں فائق الخاصہ کا اثر اسی طرح باقی رہا، آخر میں عبدالملک بن نوح کے عہد میں ۳۸۹ھ[3] میں فائق کا انتقال ہو گیا، سامانی دور میں فائق الخاصہ کے کارنامے یادگار رہیں گے، یہی وہ امیر تھا جو غزنویوں کے اثرات کے ماوراء النہر میں پھیلنے میں سخت مانع رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فائق الخاصہ بعض لحاظ سے اپنے دور کی ممتاز ترین شخصیت ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کا تعلق کسی نہ کسی درجے میں تفسیر قرآن کے فارسی ترجمے سے رہا ہے۔

ترجمہ تفسیر طبری اواسط چوتھی صدی ہجری کی ضخیم کتاب ہے، اس سے فارسی زبان وادب کے ارتقاء کی داستان مرتب ہو سکتی ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اس دور کی کوئی کتاب اتنی ضخیم موجود نہیں، اس لئے اس کا دقیق مطالعہ ابتدائی فارسی زبان وادب کے سارے مسائل کو واضح کر سکتا ہے، یہ ترجمہ نہایت سادہ زبان میں ہوا، اس لئے اس کی اہمیت ادب سے زیادہ زبان کے لحاظ سے ہے، چنانچہ ذیل میں اس کی زبان کے اہم خواص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ زبان کے خواص کا تعین دراصل دستوری اور لغوی مطالعے کا متقاضی ہے۔ اس سلسلے میں چند قابل ذکر امور یہ ہیں:

۱۔ اس دور کی جملہ بندی کے اصول آج سے مختلف ہیں، کبھی کبھی فاعل مفعول، مبتدا خبر اور متعلقات وغیرہ جملے میں بدلی ہوئی جگہ پر ملتے ہیں۔

این کتاب را بیاوردند از بغداد ، موجودہ صورت میں "از بغداد" فعل سے قبل آنا چاہیئے۔

---

[1] نوح کی وفات شعبان ۳۸۷ھ میں ہوئی (زین الاخبار ص ۲۷۱)

[2] امیر فائق اور دوسرے امیر بکتوزون نے منصور بن نوح کی آنکھ میں صفر ۳۸۹ھ میں سلائی پھروا کر اندھا کر دیا، اور اس کے بجائے امیر ابوالفوارس عبدالملک بن نوح کو تخت نشین کرایا، منصور کی حکومت صرف ۱۹ ماہ تھی (بیہقی ص ۶۴۱)

[3] فائق کی وفات شعبان ۳۸۹ میں ہوئی (زین الاخبار ص ۱۷۳، بیہقی ۶۴۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چہل مصحف بود نبشتہ بزبان تازی (معمولاً بزبان تازی نبشتہ سے قبل آنا چاہیے)

بیاوردند سوی امیر سید ملک منظفر ابو صالح (اس میں فعل آخر میں آنا چاہیے)

چناں خواست کہ مراین کتاب را ترجمہ کنند بزبان پارسی

(بزبان پارسی ترجمہ کنند سے پہلے آنا چاہیے۔)

۲۔ عربی الفاظ کی جمع فارسی طریقے سے بنانے کا رواج ابتدا[1] میں عام تھا، یہی طریقہ اس تفسیر میں بھی ملتا ہے، جیسے حرفہا، طعامہا، روایتہا، حوضہا وغیرہ۔

۳۔ جمع الجمع کا استعمال قدیم زمانے میں بھی رائج تھا، اس میں بھی ملتا ہے، جیسے[2] ملوکان، یعنی ملک کی جمع عربی ملوک۔ اور اس سے جمع بقاعدۂ فارسی ملوکاں۔

۴۔ جاندار کی جمع غیر ذوالعقول کی طرح بنائی گئی جیسے،

کسہا[3] بجائے کسان (یعنی جمع کس۔ شخص)

۵۔ یکی کا استعمال[4] بھی یائے تنکیر کے عوض میں اور کبھی اس کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے جیسے یکی پیرزن اور یکی سنگی نہادند۔

۶۔ حرف[5] جار (اندر) کا استعمال مجرور کے بعد قدیم زمانے میں عام تھا، دھیرے دھیرے کم ہوتا گیا، یہاں تک کہ غالب نے کلام میں ندرت پیدا کرنے کے لئے ۱۸ ویں صدی میں استعمال کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

بشب اندر، نگریستن بدان اندر، بدست خلق اندر، بدست ہیچکس اندر، بقرآن اندر، بہ بیابان اندلس اندر، بدان نام اندر، بدان سور اندر۔

---

[1] تفسیر قرآن مجید (نسخہ کیمبرج) مقدمہ ص ۳۴ [2] ایضاً ص ۳۵

[3] کس کی جمع کسہا کے لئے دیکھئے مقدمہ تفسیر قرآن (نسخہ کیمبرج) ص ۳۶

[4] بعینہٖ اسی صورت کے لئے دیکھئے مقدمہ تفسیر ص ۳۸،

[5] ترجمہ تفسیر طبری اور تفسیر قرآن (نسخہ کیمبرج) کے دستوری خصائص کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہے، اس سلسلے میں آخرالذکر کتاب کا عالمانہ مقدمہ قابل دید ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ حذف علامت مفعول صریح کا استعمال بھی خال خال ملتا ہے:۔

ایں صورت فاتحۃ الکتاب خوانند

تا خدای این قاتل پیدا کند

۸۔ قلب اضافت کی صورت فارسی میں اب تک باقی ہے، معلوم ہوا کہ ابتدائی دور میں یہ صورت مروج تھی، جیسے مارا حاجت خواہ (یعنی حاجت من) ترا یاری خواہم (یعنی یاری تو)۔

۹۔ صفت و موصوف کے درمیان فعل لانا فارسی میں ہنوز متداول ہے جیسے:۔

سنگی آنجا بود دراز (یعنی سنگی دراز آنجا بود)

۱۰۔ صفت تفضیل کی بعض نئی شکلیں از قسم لب بیار مردتر، فراخ آب تر، فراخ میوہ تر فراخ گوشت تر، وغیرہ۔

۱۱۔ افعال کی تکرار قدیم زمانے میں متداول تھی، اس کتاب سے بھی اس کا وافر ثبوت فراہم ہوتا ہے، مثال ملاحظہ فرمائیں۔

فاتحۃ الکتاب خوانند، نیز ام الکتاب گویند، نیز سبع المثانی گویند دبدین زمانہ مارا ازین ہیچ چیز نیست و بدست ما ازیں ہیچ حجت نیست۔

۱۲۔ اسم الجمع کے لئے فعل جمع کا استعمال جیسے خلق رستند، گروہی گویند،

۱۳۔ می اور ہمی دونوں کا ساتھ ساتھ استعمال جیسے ہمی سنگ می بریدی، ممکن ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو، اس خصوصیت کے تعین کے لئے کتاب کے دقیق مطالعہ کی ضرورت ہے۔

۱۴۔ ہمی کا اصل فعل سے جدا استعمال جیسے مارا ہمی افسوس کنی، ہمی سنگ می برید۔

۱۵۔ افعال کے ساتھ لاحقہ کا عمومی استعمال جیسے فرو فرستادن۔ فرو نہادن، فرو داشتن، فرو آمدن، فرو شدن، فرو نہادہ آمدن فرا نگریستن، باز رستن، باز گشتن اندر یافتن، بر کشیدن، بر آمدن، بر نداشتن، اندر آوردن، اندر شدن، در گذشتن وغیرہ

۱۶۔ ماضی استمراری کے بجائے ماضی شرطی کا عمومی استعمال یعنی بجائے "می آمد" کے "آمدے" وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۷۔ شدن بمعنی رفتن کا استعمال قدما کے یہاں عام طور پر ملتا ہے، یہ کتاب بھی اس کی شاہد ہے جیسے بمکہ شد۔

۱۸۔ ماضی مطلق کی جگہ ماضی قریب کا استعمال جیسے بمکہ فرود آمدہ است، بجائے بمکہ فرود آمد۔

۱۹۔ توانستن کے استعمال کی مثالیں۔ تتوانم آوردن، بتوانی دانستن، تواند داشتن وغیرہ۔

۲۰۔ جمع غیر ذوی العقول کے ساتھ فعل واحد کا عمومی استعمال جیسے دیگر سورتہا کہ آوردہ بودندکہ فہرست کشدہ بود، سورتہا فرود آمدہ است۔

۲۱۔ متعلق فعل کا فعل سے جدا استعمال جیسے "نکو تفسیر آن صورت نگاہ کنی یعنی تفسیر آن سورت را نکو نگاہ کنی۔

ترجمہ تفسیر طبری کے دقیق مطالعے سے زبان کی اور خصوصیات کا تعین ہوسکتا ہے، لیکن فی الحال اس کا موقع نہیں، اب میں نسخۂ رامپور کے بارے میں ایک مختصر گزارش پیش کرنا چاہوں گا، اس لئے کہ یہی نسخہ ہمارے مطالعے میں رہا ہے۔

یہ ایک ضخیم نسخہ ہے جس میں ۳۹۴ صفحے ہیں، اس کا خط نسخ روشن ہے، ہر صفحے میں ۷ سطریں ہیں، کتابت کا سن درج نہیں، البتہ اس کے املائی اور دیگر کیفیات سے بعض محققین نے اندازہ لگایا ہے کہ اس کی کتابت ۶۰۰ ہجری کی ہے، مخطوطے کا دقیق مطالعہ اس قیاس کا موید نہیں قرار پاسکتا، اس مخطوطہ کو اگر کیمبرج یونیورسٹی کے مخطوطہ سے تقابلہ کیا جائے تو اس کا موخر ہونا واضح ہوجائے گا، کیمبرج کا نسخہ ۶۲۸ ہجری کا لکھا ہوا ہے، رامپور کا نسخہ اس سے کم از کم ایک صدی بعد کا ہوگا۔

نسخۂ رامپور ناقص الآخر ہے، اس بنا پر نہ کاتب کا نام معلوم ہے اور نہ تاریخ کتابت اور نسخہ سورہ نساء کی آیت ۶۳ آیت کے طویل اقتباس پر ختم ہوجاتا ہے یا ایہا الناس اتقوا..... واعرض عنہم وعظہم وقل لہم فی انفسہم قولاً بلیغا۔

دراصل ترجمۂ تفسیر میں یہ طریقہ کار رہا گیا ہے کہ پہلے قرآن کا اقتباس ہے، پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد اس کی تفسیر، سورۂ نسار کی ۳۶ آیات تو نقل ہیں مگر ان کی تفسیر کی عدم موجودگی سے واضح ہے کہ نسخہ یہاں ناقص ہے، لیکن کسی عیّار نے بعد میں اختتام پر ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔

"تفسیر طبری عن خط مرزا محمد مجتہد"

اس اضافہ والی تحریر کا خط، سیاہی اور قلم اصل مسودے سے مختلف ہے، البتہ جہاں آیات قرآنی ختم ہوئی ہیں "صدق اللہ العظیم" اس سے قیاس ہوتا ہے کہ نسخہ رامپور کا منقول عنہ غالباً ناقص تھا، اس نسخے کے بعض قابل ذکر املائی خصائص حسب ذیل ہیں۔

۱۔ پ، چ، ژ، گ، ب، ج، ز، ک سے ظاہر کئے گئے ہیں۔

۲۔ دال و ذال کا فرق عمومی طور پر برقرار رکھا گیا، یعنی جن فارسی نفظوں میں دال کے پہلے مصوتہ (کوتاہ یا بلند) ہے، وہ ذال سے ملتا ہے، جیسے آمذ، باذ وغیرہ۔

۳۔ کاف موصول اور کاف بیان 'کہ' کے بجائے 'کی' سے ادا ہوئے ہیں۔

۴۔ چہ کا املا آج کل کی طرح ہے۔ لیکن "آنچہ" میں ہائے مختفی محذوف رکھی گئی ہے۔ اور اس کا املا 'آنج' ہے یہی صورت 'چنانک'، 'آنک' میں ہے۔

۵۔ جمع کی صورت ہے ہائے مختفی محذوف ہے یعنی قصہ ہا کے بجائے 'قصّہا' یہ قدیم متون میں املا کی عام روش ہے۔

۶۔ علامت اضافت 'ی' ہمزہ کے بغیر آئی ہے، جیسے ردی علما، سوی امیر

۷۔ الفاظ مختوم بہ 'ی' میں یائے تنکیر بصورت ہمزہ ہے، جیسے دعائی، نیکو موجودہ املا میں عام طور پر اسی کی پیروی ہوتی ہے، خصوصاً ہندوستان میں۔

۸۔ ہائے مختفی والے الفاظ میں ہمزہ بطور علامت اضافت استعمال ہوئی ہے، یہی جدید املا ہے جیسے خانہ کعبہ۔

۹۔ عربی الفاظ مختوم بہ الف میں 'ء' علامت اضافت کے طور پر استعمال ہوئی ہے، یہی قدیم روش ہے، جیسے قصّہا، یاران پیغمبر۔

۱۰۔ حرف جار 'بہ' اور ہائے زینت ہمیشہ لفظ سے پیوست ملتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۔ بعض مرکب الفاظ کبھی کبھی جدا ملتے ہیں جیسے پیغام بر، ہم چنیں۔

۱۲۔ داود جیسے الفاظ میں خال خال ہمزہ کا استعمال ہوا ہے جیسے داؤد، عام طور پر قدیم متون میں اس سے احتراز ملتا ہے۔

۱۳۔ بعض الفاظ جو تائے تانیث پر ختم ہوتے ہیں دونوں طرح پر ملتے ہیں، کبھی گول ۃ اور کبھی لمبی ت، کی شکل میں، جیسے سورۃ وسورت۔

۱۴۔ بعض اعلام میں الف محذوف ہے جیسے اسمعیل، ابرہیم۔

۱۵۔ بعض الفاظ میں حروف پر اعراب ہے جیسے ترجُمہ (جیم مضموم) اور شَشش (ش مفتوح)

۱۶۔ بعض الفاظ میں حرف 'ی' کے دائرہ میں دو نقطے لکھے گئے ہیں جیسے خدایؔ۔

۱۷۔ بعض جگہ جملوں اختتام پر یہ علامت درج کی گئی ہے ⊙، کچھ آیت قرآن سے مشابہ شکل۔

۱۸۔ کہ، چہ اکثر مقامات پر اصل لفظ سے پیوست آئے ہیں۔ پانچویں، چھٹی، ساتویں صدی کے مخطوطات میں عام طور پر اس وصف کی رعایت کی گئی ہے۔

سطور بالا میں سب سے قدیم فارسی تفسیر کا تعارف ہے جو اصل عربی سے فارسی میں منتقل ہوئی ہے، جو امور معرض بحث میں آئے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ ترجمہ کن حالات میں ہوا۔

۲۔ امیر منصور بن نوح کا فرمان علمار کی جمع آوری کے لئے۔

۳۔ علمار جو مختلف شہروں سے بلائے گئے ان میں چند کا نام۔

۴۔ ان چند علمار میں بعض کا کسی قدر تفصیلی تعارف۔

۵۔ اس تفسیر (ترجمہ) کی اہمیت۔

۶۔ اس کی دستوری خصوصیات۔

آخر میں نسخہ رامپور جو خصوصی مطالعہ میں رہا ہے، اس کا مختصر تعارف مع اس کے املائی خصوصیات کے۔

••

© rasailojaraid.com